© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

جماعتِ اسلامی کے سامنے اِس وقت متعدد تعمیری کام ایسے ہیں جن کی ضرورت اور اہمیت ایک مدت سے محسوس کی جارہی ہے مگر آج تک صرف اس وجہ سے ان کو عمل میں لانے کے لیے کوئی موثر قدم نہیں اُٹھایا جاسکا کہ ان کے لیے ذرائع بہم نہ پہنچ سکے محض مقدس خواہشات کا اظہار ہمارے نزدیک ایک فضول حرکت ہے اور لمبی چوڑی خوشنما اسکیمیں پیش کرکے لوگوں کو مرعوب کرنا دیاکاری کے سوا کچھ نہیں۔ اسی لیے ان صفحات میں کبھی ان کاموں کا ذکر نہ کیا گیا۔ ہم اس بات کے منتظر رہے کہ خود جماعت ہی کے وسائل میں اللہ تعالیٰ کچھ گنجائش پیدا کردے تو چھوٹے پیمانے ہی پر سہی، ان کو کسی نہ کسی طرح شروع کردیا جائے۔ لیکن مدتِ انتظار طویل سے طویل تر ہوتی جارہی ہے، اور ایسے آثار دور دور کہیں نظر نہیں آتے کہ جماعت کے اپنے وسائل ان اہم تعمیری کاموں کے متحمل ہوسکیں گے۔ دوسری طرف روز بروز ان کی ضرورت زیادہ شدت کے ساتھ محسوس ہورہی ہے اور ان میں سے کسی کو بھی بے فکری کے ساتھ ٹالنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا آج صرف اس لیے ان کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اگر ہماری قوم میں کچھ لوگ ایسے موجود ہیں جو اخلاص کے ساتھ اپنے وسائل و ذرائع بھلائی کے کاموں پر صرف کرنے کے لیے تیار ہوں تو وہ آگے بڑھیں اور ان کاموں میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

ان میں سے اولین کام ایسی درس گاہوں کا قیام ہے۔ جن میں محض نصابِ تعلیم پڑھا دینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر اکتفا نہ کیا جائے۔ بلکہ طلبہ کی اخلاقی اور ذہنی تربیت کا بھی انتظام کیا جائے اور اُن میں وہ سیرت و صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جو ایک ترقی پذیر اسلامی معاشرے اور ریاست کے کارکنوں اور کارفرماؤں میں ہونی چاہیے۔ یہ بات اب کس کو معلوم نہیں ہے کہ ہمارے پرائمری اسکولوں سے لے کر کالجوں تک کہیں بھی تربیت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، مگر نہ انسان ہی بنانے کی کوئی کوشش کی جاتی ہے اور نہ مسلمان۔ نسل بر نسل ہمارے ہاں خودرو درختوں کی طرح اُگ رہی ہے۔ ہمارا کوئی نیشنل کیریکٹر گویا سرے سے ہے ہی نہیں جسے ہم اپنی نئی نسلوں میں پیدا کرنے کی باقاعدہ سعی کریں۔ ہر ہر فرد جیسا کچھ بن سکتا ہے۔ بس خود ہی بن جاتا ہے، یا اتفاقات کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اور بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ تربیت کے عنصر سے ہمارے مدرسوں اور کالجوں کی تعلیم خالی ہے، بلکہ درحقیقت ایجاباً ان میں اخلاق و سیرت کا معیار روز بروز تشویشناک حد تک گرتا جا رہا ہے۔ اس حالت میں جب تک پورے ملک کا نظامِ تعلیم درست نہیں ہوتا، کم سے کم ضروری تدبیر یہ ہے کہ مختلف مقامات پر ایسی درسگاہیں قائم کی جائیں جو اس کمی کو کچھ نہ کچھ پورا کرتی رہیں۔

اس سلسلے میں ہمارے پیشِ نظر یہ ہے کہ کام کی ابتدا پرائمری اسکولوں سے کی جائے اور پھر ان کو بتدریج ترقی دے کر ہائی اسکولوں کے درجے تک پہنچایا جائے۔ ان مدارس میں نصابِ تعلیم وہی ہو جو محکمۂ تعلیم نے مقرر کیا ہے مگر اس پر دینی اور اخلاقی تعلیم کے عنصر کا ہم اپنی طرف سے اضافہ کریں۔ اور مزید براں یہ کوشش بھی کریں کہ تعلیم کے جدید ترین طریقوں سے فائدہ اُٹھا کر طلبہ کی علمی و ذہنی استعداد کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے۔ اس تعلیمی پہلو کے ساتھ ساتھ طلبہ کی تربیت پر پوری توجہ صرف کی جائے تاکہ ایک طرف ان کے اندر بنیادی انسانی اخلاقیات کا صحیح طریقے سے نشوونما ہو اور دوسری طرف وہ فکر، جذبات اور کردار کے لحاظ سے سچے مسلمان بنیں۔ اور ان خوبیوں کے ساتھ ہر طالبِ علم کارگاہِ حیات میں اُس منصب کو سنبھالنے کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیار کیا جائے جس کی فطری صلاحیت اس میں پائی جاتی ہو۔

اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جماعت اسلامی کے پاس آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ اس طرح کے مدرسے محض فیسوں کے بل پر نہیں چل سکتے۔ اور اگر ان کے چلانے کا انحصار محض فیسوں پر ہو تو صرف خوشحال طبقے کے بچے ہی ان سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ غریب اور متوسط طبقے کے بچوں کو ان میں داخل ہونے کا موقع کسی طرح نہ مل سکے گا۔ اس لیے لامحالہ ایسے مدارس قائم کرنے اور چلانے کے لیے اتنی کافی مالی امداد ہمیں حاصل ہونی چاہیے جس سے اس قسم کے بلند معیار مدرسوں کی ضروریات بھی فراہم کی جا سکیں اور ایسے ذہین بچوں کو بھی لیا جا سکے جو فیس ادا کرنے کے قابل نہ ہوں، یا پوری فیس نہ دے سکیں۔

دوسرا اہم کام ایسے محققین کی تیاری کا ہے جو علوم دینی اور علوم دنیوی میں بصیرت رکھتے ہوں اور پھر اسلامی نقطۂ نظر سے مختلف علمی شعبوں میں تحقیق اور تدوینِ جدید کا کام کر سکیں۔ یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کو ایک مدتِ دراز سے بشدت محسوس کیا جا رہا ہے، مگر اسے پورا کرنے کے لیے آج تک برائے نام بھی کوئی کوشش نہیں ہوئی ہے۔ محققین کی پیداوار اوّل تو ہمارے ہاں ہے ہی بہت کم اور جو تھوڑی بہت پیداوار ہو بھی رہی ہے تو وہ ہماری یونیورسٹیوں میں ہو رہی ہے جہاں علمی تربیت کا مقصد مغربی یونیورسٹیوں کے مقصد سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔ ان میں مشرقی علوم کے شعبے ضرور پائے جاتے ہیں۔ مگر وہ "مستشرق" پیدا کرنے کے لیے ہیں، محققینِ اسلام پیدا کرنے کے لیے ہرگز نہیں ہیں۔ پھر دوسرے علوم کی تحقیقات کے لیے جو تربیت ان میں دی جاتی ہے، اس میں اسلامی نقطۂ نظر قریب قریب ناپید ہے اور اس تربیت سے ایسے آدمی تیار ہو کر نکلنے کا کوئی امکان نہیں ہے جو تاریخ، فلسفہ، سیاسیات، معاشیات، قانون اور اسی طرح کے دوسرے علوم کو قرآن کی روشنی میں نئے سرے سے مرتب کر سکیں یا کسی اہم مسئلے کی تحقیق قرآن کی رہنمائی میں کر سکیں۔ اس طرح کے محقق باقاعدہ تیار کرنے کا آج ہمارے ہاں کوئی انتظام موجود نہیں ہے۔ اس کام کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہماری قوم نے بالکل اتفاقات کے حوالے کر دیا ہے۔ بالکل اتفاقاتِ زمانہ سے کوئی شخص خود بخود اس قابلیت کا پیدا ہو جائے تو وہ تھوڑا بہت کام کر لے گا۔ ورنہ آئے دن طرح طرح کے "عطائی" اُلٹی سیدھی تحقیقات کر کے اسلام کی جیسی چاہیں مرمت کرتے رہیں گے۔ حالانکہ اگر فی الواقع ہم کو یہاں ایک اسلامی نظامِ زندگی قائم کرنا ہے تو ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ ہم میں ایک معتد بہ تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہو جو پہلے تحقیق و اجتہاد کے لیے ضروری استعداد بہم پہنچائیں، اور پھر اُن بے شمار مختلف خدمات کو بخوبی انجام دے سکیں جن کی ضرورت خالص اسلامی بنیادوں پر ایک نئی ریاست کی عمارت اٹھانے میں قدم قدم پر پیش آئے گی۔

اس کام کے لیے صرف ایسے نوجوان ہی مفید ہو سکتے ہیں جنہوں نے موجودہ درس گاہوں میں اپنی تعلیم مکمل کر لی ہو، یا کم از کم اتنی استعداد بہم پہنچا لی ہو کہ آگے تحقیقی مطالعہ کر سکیں۔ ایسے لوگوں کو بے کم از کم تین سال تک عربی زبان اور علوم دینی کی تعلیم دینی ضروری ہوگی۔ اس کے بعد ان کو مختلف علمی شعبوں میں تحقیق کے کام پر لگایا جا سکے گا۔

جماعت اسلامی اس سے پہلے کئی مرتبہ اس کام کو شروع کرنے کا ارادہ کر چکی ہے، مگر اس میں متعدد مشکلات حائل ہیں جن کی وجہ سے ہر بار اسے ملتوی کرنا پڑا ہے۔ اول تو ایسے نوجوان ہی ہماری قوم میں بہت کم ہیں جو پتّا مار کر اس طرح کے خاموش تعمیری کاموں میں اپنی محنت اور ذہانت صرف کرنے پر آمادہ ہوں۔ پھر جو تھوڑے بہت ایسے آدمی نکل آتے ہیں ان پر ان کے دوست، احباب، اقارب اور سب سے بڑھ کر ان کے والدین سخت دباؤ ڈالتے ہیں کہ وہ اس "فضول" کام میں پڑنے کے بجائے کچھ کمانے کی فکر میں لگیں۔ اس مرحلے سے بھی جو لوگ کامیابی کے ساتھ گزر جائیں ان کے سامنے فوراً یہ سوال آ جاتا ہے کہ ان کی ضروریات کی کفالت کیسے ہو۔ ان کے سرپرست کبھی اس پر آمادہ نہیں ہوتے کہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بھی ایک مدت تک وہ اس طرح کی تربیت کے لیے انہیں سہارا دیتے رہیں۔ اب اگر یہ لوگ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے کوئی معاشی کام کریں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے وقت محنت اور توجہ کا بڑا حصہ اسی میں لگ جاتا ہے، حالانکہ ہمارے مقصد کے لیے ان کا ہمہ تن علمی کام میں منہمک رہنا ضروری ہے۔ لہٰذا اگر ہم کوئی ادارۂ تربیتِ علمیہ قائم کرنا چاہیں تو اس کے لیے صرف ایک عمدہ کتب خانہ اور صرف اچھے معلمین کی فراہمی ہی کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ناگزیر ہے کہ جو نوجوان اس میں داخل ہوں ان کی کفالت کا بار بھی ادارہ ہی اُٹھائے۔ اور بعد میں ادارے ہی کے پاس ایسے ذرائع بھی ہوں کہ وہ انہیں علمی تحقیق کے مختلف کاموں پر لگائے اور ادارے کے نتائجِ تحقیق شائع کرے۔

تیسرا اہم کام تراجم کا ہے جس کی ضرورت روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ہماری چند مطبوعات کے ترجمے جب سے عربی زبان میں شائع ہوئے ہیں، عرب ممالک سے سخت تقاضا ہو رہا ہے کہ تمام کتابیں جلدی سے جلدی عربی میں منتقل کر دی جائیں، اور نئی کتابوں کے ترجمے بروقت انہیں بہم پہنچا دیے جائیں۔ ان کی مانگ کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ اخوان المسلمون کے دار الاشاعت نے ہماری جو کتابیں مصر میں شائع کی ہیں وہ ایک سال کے اندر پانچ پانچ سات سات ہزار کی تعداد میں نکل چکی ہیں۔ مگر ہمارے پاس عربی میں ترجمہ کرنے والوں کی اس قدر کمی ہے کہ ہم ان کی طلب کو کسی طرح پورا نہیں کر سکتے۔

دوسری طرف اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ عربی زبان سے اردو میں کتابیں منتقل کرنے کا کام کیا جائے۔ عربی زبان علومِ اسلامیہ کے بہترین لٹریچر سے پہلے ہی مالا مال تھی۔ اس پر اب مزید اضافہ موجودہ زمانے کے مصنفین کی کتابوں سے ہو رہا ہے۔ لیکن ہماری زبان اس دولت سے بڑی حد تک محروم ہے۔ اگر ہم اردو زبان میں اس سرمائے کو منتقل نہ کریں تو آخر اسلام اور اس کی تاریخ اور اس کے قوانین اور نظامِ حیات کے متعلق ہماری قوم کا معیارِ معلومات اس قدر بلند کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارے عام لوگ اپنی زندگی کے معاملات میں صحیح رائیں قائم کر سکیں اور گمراہیوں کا شکار ہونے سے بچ سکیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح انگریزی زبان میں بھی اسلامی لٹریچر کی مانگ بڑھتی جا رہی ہے۔ نہ صرف ہمارے ملک کے انگریزی خواں لوگ اس کے طالب ہیں، بلکہ غیر مسلموں کی طرف سے بھی وقتاً فوقتاً یہ مطالبہ ہوتا رہتا ہے کہ ہمیں اسلام کے متعلق انگریزی میں صحیح معلومات بہم پہنچائی جائیں۔ مگر ہمارے پاس ان کی پیاس بجھانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ انگریزی میں بہت ہی کم کتابیں ایسی پائی جاتی ہیں جنہیں اطمینان کے ساتھ یہ کہہ کر کسی کے ہاتھ میں دیا جاسکے کہ یہ اسلام کی صحیح ترجمانی کرسکیں گی۔ اور ان میں ایسی کتابیں تو اور بھی کم ہیں جو جدید مسائلِ حیات سے اسلام کی روشنی میں بحث کرتی ہوں۔ اردو زبان میں اس مطلب کے لیے کافی ذخیرہ موجود ہے۔ مگر اس کو عمدہ زبان میں انگریزی کا جامہ پہنانا اور پھر ایسی شان کے ساتھ شائع کرنا کہ وہ انگریزی مطبوعات کے پہلو میں رکھا جاسکے، بہرحال کافی وسائل چاہتا ہے۔

بنگلہ زبان میں اسلامی لٹریچر کی اشاعت بھی اس وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ پاکستان کی نصف سے زیادہ آبادی بنگالی بولنے والوں پر مشتمل ہے۔ اور بنگالی زبان کا حال یہ ہے کہ اس میں اسلام کے متعلق معلومات کا سرمایہ بہت کم، بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر اردو بنگالی کا قضیہ اگر اردو کے حق میں طے ہو بھی جائے تو عام بنگالیوں کو اس حد تک اردو سے واقف ہوتے ہوتے کافی دیر لگے گی کہ وہ اردو مطبوعات سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس دوران میں بنگال کے عوام کی جہالت و ناواقفیت جیسی کچھ پاکستان کے لیے نقصان رساں ہوسکتی ہے اس کا آسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس پر مزید یہ ہے کہ وہاں بہت کم لوگوں کو بنگالی زبان کی اس کمزوری کا احساس ہے اور اس وقت تک بھی کوئی قابلِ ذکر کوشش اس کی تلافی کے لیے نہیں کی گئی ہے اب اگر ہم پاکستان کی نصف سے زیادہ مسلم آبادی کو مغربی بنگال کے زہریلے اثرات سے بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں جلدی سے جلدی بڑے پیمانے پر اس زبان میں اسلامی لٹریچر منتقل کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعتِ اسلامی نے اس غرض کے لیے ڈھاکہ میں ایک بنگلہ دارالاشاعت قائم کر دیا ہے مگر ذرائع کی کمی اس کی راہ بھی روکے ہوئے ہے۔

اس کے علاوہ کچھ اور مفید کام ہیں جو محض وسائل کی کمی کے سبب سے نہیں کیے جا سکتے، حالانکہ ان کا فائدہ اس مال سے بہت زیادہ قیمتی ہے جو اُن پر صرف ہوگا۔

مثلاً عربی زبان میں جب سے ہمارا لٹریچر شائع ہونا شروع ہوا ہے، بیرونی ممالک سے وقتاً فوقتاً ہمارے پاس ایسے لوگوں کی درخواستیں آتی رہتی ہیں جو مرکز جماعتِ اسلامی میں رہ کر اسلام کا تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے لیے اس میں صرف یہی ایک لالچ نہیں ہے کہ اس طرح ہم ممالک اسلامیہ کے ذہین نوجوانوں کو خدمتِ دین کے لیے تیار کر سکیں گے، بلکہ یہ بھی ہے کہ یہاں رہ کر وہ اردو زبان سیکھ لیں گے اور پھر اردو کی مفید چیزوں کو اپنی زبان میں منتقل کر سکیں گے۔ لیکن نہ ہماری غیرت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ انہیں اپنے خرچ پر یہاں آنے اور رہنے کے لیے کہیں، اور نہ ہمارے وسائل اسے برداشت کرتے ہیں کہ ہم ان لوگوں کو وظائف دے کر یہاں بلا سکیں۔

اسی طرح اب یہ ضرورت بھی محسوس ہو رہی ہے کہ ہر سال حج کے موقع پر اہلِ علم و فکر کا ایک وفد حجاز بھیجا جائے۔ جو حج سے پہلے اور بعد کچھ مدت تک وہاں ٹھیرے۔ مختلف ممالک سے جو صاحب علم و معرفت لوگ وہاں آتے ہیں ان سے ملے۔ ہر طرح کی مفید معلومات کا ان سے تبادلہ کرے، اور ان کو بھی اس امر پر آمادہ کرے کہ ان کے ہاں کی ذمہ دار جماعتوں کے وفود حج کے موقع پر آیا کریں، تاکہ حج کی برکت کے ساتھ رفتہ رفتہ ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کا بھی فائدہ حاصل ہو، اور مسلمان قومیں ذہن و عمل کے لحاظ سے ایک دوسرے سے قریب تر ہوتی جائیں۔ اب تک یہ بات بالکل اتفاقات کے حوالے رہی ہے کہ کہیں سے کوئی ذی علم آدمی استطاعت بہم پہنچنے پر حج کے لیے چلا جائے اور دوسرے مقامات سے اسی طرح اتفاقاً آجانے والے لوگوں سے مل لے۔ اس سے کوئی بڑا مفید نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ اب یہ کام ایک سوچے سمجھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منصوبے کے مطابق باقاعدگی کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ ایسے وفود اگر ہر سال جمع ہونے لگیں تو دنیا بھر کی مسلمان قومیں ایک دوسرے کے اصلی حالات سے بر وقت باخبر ہوتی رہیں گی، ہر ملک کے مفید کاموں کا فائدہ سب کو پہنچ سکے گا اور باہمی تعاون کی بہت سی راہیں کھلتی چلی جائیں گی۔

یہ جتنے کام بھی ہم نے بیان کیے ہیں، ہر شخص اعتراف کریگا کہ ان میں سے ہر ایک تعمیر ملت کے لیے مفید اور ضروری ہے۔ ان میں سے کسی کا تعلق بھی ایسے مسائل و معاملات سے نہیں ہے جن میں ہمارے درمیان اختلافات ہیں۔ اور ہم سے اختلاف رکھنے والے بھی بالعموم یہ جانتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے پاس ایسے اہل اور امین آدمیوں کی کمی نہیں ہے جو ان ساری تجویزوں کو بخوبی عمل میں لا سکتے ہیں۔ کمی ہے تو ایسے اللہ کے بندوں کی ہے جو اپنی دولت کو اپنی تعمیر ذات ہی کے لیے وقف رکھنے کے قائل نہ ہوں بلکہ اخلاص کے ساتھ اس کا کچھ حصہ اپنی ملت کی تعمیر کے لیے بھی صرف کر سکتے ہوں۔

ہم اپنے وقت اور محنت کا کوئی حصہ چندے مانگتے پھرنے پر صرف نہیں کر سکتے، اور نہ یہ کبھی ہمارا طریقہ رہا ہے۔ جماعت اسلامی کے کارکن زیادہ سے زیادہ جو کچھ کر سکتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ اپنے حلقۂ تعارف میں ایسے لوگوں تک یہ تجویزیں پہنچا دیں جو ان کے علم میں دولت زر کے ساتھ جذبۂ خیر کی دولت بھی رکھتے ہوں۔ اس کے بعد اگر ہمیں کوئی مدد پہنچی، تو جس حد تک بھی وہ پہنچے گی، ہم ان کاموں کو، یا ان میں سے کسی کام کو شروع کر دینگے۔ ورنہ جس طرح اب تک یہ تجویزیں تمناؤں کے قبرستان میں دفن رہی ہیں، آئندہ بھی رہیں گی۔

اس سلسلہ میں ہم یہ کہہ دینا بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ جو اصحاب ان تعمیری کاموں کے لیے ہمیں کوئی وقتی یا مستقل مدد دینا چاہیں، وہ اگر کسی ایک مخصوص کام کا تعین نہ کریں تو بہتر ہے کیونکہ جو رقمیں اس طرح کے تعین کے ساتھ آئیں گی انہیں ہم کو لامحالہ الگ الگ مدات میں جمع کرنا پڑے گا اور ہو سکتا ہے کہ مجموعی طور پر تو وہ سب کسی ایک کام کو شروع کر دینے کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کافی ہوں، مگر جدا جدا ہر مد میں اتنی کم رقم جمع ہو کہ اس سے کوئی کام بھی شروع نہ کیا جا سکے

جب سے اس ملک میں اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کا مطالبہ شروع ہوا ہے، اس کے خلاف اہلِ زیغ و ضلالت کی طرف سے طرح طرح کی فتنہ انگیزیوں اور بہانہ سازیوں کا سلسلہ جاری ہے، اور خود حکومت نے بھی ہزاروں روپے ماہوار کے خرچ پر بہت سے بندگانِ شکم کی خدمات اس غرض کے لیے حاصل کر رکھی ہیں کہ لوگوں کے ذہن کو اسلام کے بارے میں جتنا پراگندہ کر سکتے ہیں، کر ڈالیں۔ من جملہ اُن فتنوں کے جو یہ لوگ اُٹھا رہے ہیں، ایک یہ سوال بھی ہے کہ صاحب، یہ تو ٹھیک ہے کہ جب یہ مملکت اسلام کے نام پر قائم ہوئی ہے تو یہاں اسلامی شریعت ہی کو نافذ ہونا چاہیے، اور ظاہر ہے کہ جب ہم مسلمان ہیں تو ہمارا قانون آخر شریعت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، مگر یہ تو بتائیے کہ یہاں کونسی شریعت نافذ ہو گی؟ مسلمانوں میں تو بہت سے مذاہب (یعنی مدارسِ فکر) پائے جاتے ہیں۔ کوئی حدیث و فقہ کو چھوڑ کر صرف قرآن پر انحصار کرنا چاہتا ہے۔ کوئی قرآن کے ساتھ صرف حدیث کو لیتا ہے۔ کوئی فقہ کا بھی قائل ہے۔ مگر فقہ میں بھی کوئی ایک مذہب نہیں ہے۔ حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، بہت سے مذاہب موجود ہیں۔ پھر متعدد گروہ مسلمانوں میں ایسے بھی ہیں جو اسلام کے صرف موٹے موٹے اصول لے کر ان پر معاشرے اور ریاست کا نظام چلانا چاہتے ہیں اور جزئیات میں قرآن و حدیث کے ہر حکم کی لفظ بلفظ پیروی کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ ایسے احکام کی پیروی کو غلط سمجھتے ہیں جو عہدِ حاضر کی روح کے خلاف ہوں۔ اب فرمائیے کہ ان بہت سی "شریعتوں" میں سے کس کو نافذ کیا جائے؟ اور دوسرے لوگ جو اس شریعت کو صحیح نہ سمجھتے ہوں، انہیں اس کے قبول کرنے پر کیسے مجبور کیا جائے؟

عام مسلمان، جن میں اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی شامل ہیں، اس سوال کو سن کر پریشان ہو جاتے ہیں اور اس سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ شریعت کا نفاذ تو برحق، مگر اس پیچیدگی کا آخر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا حل ہے؟

ہمارے پاس اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔

الزامی جواب یہ ہے کہ آپ کی تقریر کے دو حصے بالکل ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔ اپنی گفتگو کی ابتدا آپ چند ایسے فقروں سے کرتے ہیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہاں شریعت ہی کو ملک کے دستور و قانون کی حیثیت سے نافذ ہونا چاہیے۔ اور اس کا خاتمہ آپ چند ایسے سوالات پر کرتے ہیں جن سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شریعت بہرحال یہاں نافذ نہیں ہو سکتی۔ سوال یہ ہے کہ اس تضاد کو آپ کیسے رفع کریں گے؟ اگر آپ اپنی گفتگو کے پہلے حصے میں مخلص ہیں تو آپ کو خود ہی یہ بتانا چاہیئے کہ جس شریعت کو آپ یہاں نافذ کرنا اس قدر ضروری سمجھتے ہیں وہ ان بہت سی شریعتوں میں سے کونسی شریعت ہوگی؟ اور اس پیچیدگی کا آپ کے نزدیک کیا حل ہے جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ اور اگر آپ اپنی گفتگو کے آخری حصے میں ایماندار ہیں تو اپنے ابتدائی فقروں کو بدلیے اور صاف صاف ایک راستباز آدمی کی طرح کہہ ڈالیے کہ شریعت کو یہاں نافذ نہ ہونا چاہیے۔ ورنہ آپ کی گفتگو کے ان دونوں حصوں کو جوڑ کر ایک معقول آدمی یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ یا تو آپ ایک ناممکن چیز کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ آپ کے خللِ دماغی کی دلیل ہے۔ یا پھر آپ کا اصل مقصد شریعت کے نفاذ کو ناممکن ثابت کرنا ہے مگر ابتدائی فقروں میں اس کے نفاذ کی تائید آپ صرف اس لیے کرتے ہیں کہ کسی کو آپ کے مسلمان ہونے میں شک نہ رہے۔ اور یہ آپ کے منافق ہونے کی دلیل ہے۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ مدارس فکر یا مذاہب کا پیدا ہونا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے کہ جہاں کسی نے دو چار مضمون لکھ دیے اور دس پانچ آدمیوں نے پڑھ کر ان کی تائید کر دی، ایک مدرسۂ فکر یا مذہب بن گیا۔ کاغذ کی دنیا میں ایسے مدرسے اور مذاہب چاہے کتنے ہی وجود میں آجائیں، مگر جب ایک جمہوری نظام کے دستور و قانون کی تشکیل کا سوال درپیش ہو تو قابلِ لحاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف وہ مذاہب ہوا کرتے ہیں جن کے پیچھے پیروؤں کی کوئی بڑی تعداد موجود ہو۔ آپ جن بہت سے مذاہب کا ذکر فرما رہے ہیں، ان میں سے اکثر کے پیروؤں کی تعداد کا جائزہ لیا جائے تو شاید ایک فی لاکھ بھی نہ نکلے گی۔ بلکہ بعض تو ایک فی کروڑ سے زیادہ پیرو اپنے ساتھ نہیں رکھتے۔ ان چند آدمیوں کو آخر یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ یا تو ہماری "شریعت" ملک میں نافذ ہو ورنہ کوئی "شریعت بھی" نافذ نہ ہو؟

جمہوری نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو پاکستان میں مسلمانوں کے صرف تین ہی مذاہب قابلِ لحاظ ہیں۔ ایک حنفی۔ دوسرے اہلِ حدیث۔ تیسرے شیعہ

حنفیوں میں دیوبندی، بریلوی وغیرہ جو مختلف گروہ پائے جاتے ہیں ان کے اختلافات دراصل کلامی اختلافات ہیں جن کا ریاست کے دستور و قانون سے کوئی تعلق نہیں۔ ریاست کے قیام اور انتظام سے اگر کسی چیز کا تعلق ہے تو وہ صرف دستوری اور قانونی مسائل ہیں، اور ان مسائل میں تمام حنفی متفق ہیں، خواہ کلامی مسائل میں ان کے درمیان کیسے ہی شدید اختلافات ہوں۔

اہلِ حدیث حنفیوں سے صرف قانون (یعنی فقہ) میں اختلاف رکھتے ہیں۔ دستوری مسائل میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

البتہ شیعہ دستور اور قانون، دونوں میں اپنا ایک الگ مذہب رکھتے ہیں جس کے اصول اور فروع بہت سے مسائل میں مذاہبِ اہلِ سنت سے مختلف ہیں۔

لیکن ان تین مذاہب کی موجودگی بھی کوئی لاینحل پیچیدگی نہیں پیدا کرتی۔ اگر شریعت کو ملک کا دستور اور قانون بنانا ہے (جس سے کوئی مسلمان انکار کی جرأت نہیں کر سکتا) تو جمہوریت کے مسلّم قاعدے کے مطابق یہاں شریعت کی وہی تعبیر دستور اور قانون کی شکل اختیار کرے گی جسے مسلمانوں کی عظیم اکثریت معتبر مانتی ہے۔

اب یہ ظاہر ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت حنفی ہے، اور اگر ان کے ساتھ

© rasailojaraid.com